جلد: ۳
شمارہ: ۳

مئی، جون
۱۹۷۳ء

اسلامی تعلیم

اس شمارہ میں

نقد و نظر

وجدان اور عبادت — ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

وجود خارجی — ڈاکٹر سید ظفر الحسن مرحوم

قرآن مجید سے کیا ہدایت میسر آتی ہے؟ — ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

نوائے شاعر فردا — ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

شعائر اللہ، حرمات اللہ اور قرآن کی تعظیمی قسمیں — محمد یوسف

خودی اور آخرت — مظفر حسین

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس

لاہور

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

وجدان اور عبادت

نفسِ دنیا ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے دوسرے نفوس سے کم قابلِ علم نہیں۔ میرا اسے جان لینا بنیادی طور پر اُس طریقے سے مختلف نہیں جس طریقے سے مثال کے طور پر میں اپنے بہترین دوستوں میں سے کسی ایک کو پہچانتا ہوں۔ ہمارے مادی جسم کی آنکھوں کے لئے ہر نفس غیر مرئی ہے۔ یہ آنکھیں صرف مادی اشیاء کو دیکھ سکتی ہیں اور نفسِ دنیا اس قاعدہ کلیہ سے مستثنےٰ نہیں۔ نفسِ انسانی کا مادی جسم خود نفس نہیں، یہ تو محض نفس کا آلہ کار اور اُس کی نمود ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا دوست جو کچھ نہیں وہ ہے، کیونکہ میں اُسے یعنی اُس کے نفس کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں جن سے دوسروں کے لئے دیکھنا ناممکن ہے۔ لیکن چونکہ میں اُس کے نفس کی سرگرمیوں کی علامتیں جانتا ہوں اور ایک احساس یا وجدان (جو مکمل طور پر عقلی، منطقی اور سائنسی علم نہیں) کے ذریعے جانتا ہوں کہ وہ بھی میری طرح ایک نفس ہے جو سوچنے، ملنے جلنے، جواب دینے، تخلیق کرنے اور محبت و نفرت کرنے پر قادر ہے اور محض کٹھ پتلی یا مشینی آدمی نہیں۔ چنانچہ اس طرح میرا دوست مجھ سے پوشیدہ بھی ہے اور مجھ پر آشکارا بھی۔ وہ واحد ہے لیکن اُن کثیر التعداد طریقوں کی وجہ سے جن میں وہ اپنے نفس کی نمود کرتا ہے کثیر بھی ہے۔ میں اُسے جانتا ہوں جو واحد ہے اور کثرتِ ظہور کے ذریعے سے پوشیدہ ہے۔ نفسِ دنیا کی بھی یہی کیفیت ہے۔ یہ واحد اور پوشیدہ ہے یہ کثیر اور آشکارا ہے اور ہم اس واحد اور پوشیدہ کو فطرت اور کائنات کی شکل میں کثرتِ ظہور کے ذریعے سے جانتے ہیں۔ ہمارا فطرت کے متعلق غور و فکر جو بلاشبہ ہمارے قریبی تعلق کی وجہ سے ناگزیر ہے، ہمیں ایک خالق کا علم بخشتا ہے۔ یہ علم اُس کے متعلق ہمارے مزید علم کی بنیاد بنتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک نعمت ہے جو فطرت ہمارے ہر بار غور و فکر پر بلاقیمت ہمیں حقیقی اور حسین محبوب کا جلوہ

دکھائی ہے۔ یہ آسمان اور سورج، یہ چاند اور ستارے، یہ پہاڑ اور خشکی کے نظارے، یہ وسیع سمندر، یہ جھٹپٹا اور تڑکا، یہ بادل، یہ دریا اور ندیاں، یہ ہوائیں، یہ روز و شب کا بدلنا، یہ موسموں کی گردش، یہ متنوع، پیچیدہ اور رنگین حیوانی اور نباتی زندگی سب میرے دل میں ایک خالق، اس کی عظمت، اُس کے حسن اور اُس کی طاقت کا خیال پیدا کر دیتے ہیں، خواہ وہ بعض کے لئے کتنا ہی مبہم اور غیر شعوری کیوں نہ ہو۔ فطرت اس خالق کے کئی ناموں میں سے محض ایک نام ہے۔ غیر محسوس طور پر یہ خیال ہمارے دل میں جاگزین ہو جاتا ہے کہ آیا ہم اُسے جانتے ہیں؟ بعض اوقات ہمیں اس تصور کا شعور ہو جاتا ہے اور پھر یہ زیادہ صاف اور واضح ہوتا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہمیں اس کا ادراک ہی نہیں ہوتا اور یہ اتنا دبا ہوتا ہے کہ ہم اسے بھول جاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ منطق اور سائنس کی رو سے ہم اس کی مذمت کریں، مخالفت اور تردید کریں لیکن یہ بہرحال موجود ہوتا ہے اور وقتاً فوقتاً شعور کی سطح پر ابھرتا رہتا ہے خاص طور پر جب ہم مشکلات میں گھرے ہوئے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہوں اُس وقت ہم اس احساس کو عبادت کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔ تمام آدمی عبادت کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ بہت تھوڑا وقت اور بعض اپنی ساری زندگی میں کسی کسی موقع پر عبادت کرتے ہیں۔ دہریت اگر کہیں ہے تو محض زبانوں پر ہے انسانوں کے دلوں پر اس کا کہیں قبضہ نہیں ہوا۔ تصور خالق رکھنے کا سبب اپنے ماحول سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نہیں اور یہ محض خارجی نہیں، بلکہ داخلی بھی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ ہماری فطرت میں کسی عظیم و جمیل ہستی کی آرزو خوابیدہ ہے جسے ہمارا شعور تلاش کر رہا ہے۔ چنانچہ اس طرح خارجی فطرت کی علامت اور داخلی آرزو دونوں باہمی تعلق قائم کرتی ہیں اور ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں اس تعلق و تقویت کا ہمیں جتنا زیادہ علم ہوتا ہے اتنا ہی ہم اس دُنیا میں آرام و سکون محسوس کرتے ہیں۔
اور اپنی حقیقت سے باخبر ہو جانے کی وجہ سے ہمیں اتنی ہی راحت و مسرت حاصل ہوتی ہے در حقیقت ہمارا خالق کو ماننا خارجی کی نسبت داخلی زیادہ ہے۔ ایک کامل ہستی کی آرزو کے بغیر ہم کبھی فطرت کی تعریف کرتے یا اُس پر غور و فکر کر کے خالق کا تصور پیدا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے تھے۔ حقیقت کا تمام علم خود ہمارے اندر ہے، فطرت اُسے صرف جگا دیتی ہے پھر اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ اپنے آپ میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ شعور ایزدی کا ہر علم

جو ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ فوراً ہمارے شعور کا علم بھی ہوتا ہے۔ خالق پر ایمان لانا اپنے آپ پر ایمان لانا ہے۔

کائنات یا فطرت باخبر اور باشعور ہے کیونکہ یہ نفس دنیا کی شعوری سرگرمی ہے۔ یہ متحرک اور ترقی پذیر ہے جامد یا اختتام پذیر نہیں کیونکہ تغیر شعوری سرگرمی کا ایک خاصہ ہے اس کے باوجود خالق کائنات کے باطن میں نہیں اور نہ ہی کائنات کا ایک جزو یا کل اُس کے مماثل ہے۔ جس طرح میں اپنی زیر تصنیف کتاب سے الگ ہوں خالق بھی اپنی تخلیق کردہ کائنات سے جداگانہ ہے۔ میں اپنے خیالات کا اس کتاب میں اظہار کرتا ہوں لیکن میں یہ کتاب نہیں ہوں کیونکہ میں بہت سی اور کتابیں بھی لکھ سکتا ہوں اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام کر سکتا ہوں۔ کائنات خواہ کتنی ہی قدیم ہو اور خواہ کتنا ہی طویل عرصہ قائم رہے، خالق کی تاریخ زندگی میں محض ایک لمحہ ہے۔ خالق جہاں تک ہم اُسے کہتے ہیں اس قسم کی بے شمار اور مختلف دنیائیں معرضِ وجود میں لا سکتا ہے۔ اُس کے اوصاف ازلی وابدی ہیں اور ان کا اثر بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے۔

شعور انسانی کی طرح شعور ایزدی کے متعلق بھی ہمارا تمام علم سائنسی ہے نہ عقلی۔ یہ دونوں لفظ حقیقت کے مروج علوم میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کی نوعیت کچھ احساس، حسّاسیت، وجدان ایمان یا عینی مشاہدہ کی سی ہے۔ احساس صرف علم ہی نہیں بلکہ علم کی اعلیٰ ترین قسم بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل احساس کو تیز تر کر دیتی ہے لیکن احساس محض عقل کی نسبت بہت کچھ زیادہ جانتا ہے۔ عقل کسی شے کا محض ایک جزو سمجھ سکتی ہے لیکن احساس کُل پر حاوی ہوتا ہے اس بات کا اندازہ بہت کم لگایا جاتا ہے کہ یہ علم جس کے زیر اثر ہم اپنی زندگی کی راہیں تراشتے ہیں کبھی خالص منطقی، علمی یا ذہنی نہیں ہوتا۔ یہ ایک احساس کی نوعیت ہوتی ہے تاہم ذہانت ہی اس کی کم وبیش رہنمائی کرتی ہے۔ ہم وہی کچھ کرتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں اور یہ ہرگز نہیں دیکھتے کہ مدلل، معقول یا ریاضیاتی طور پر صحیح کیا ہے؛ ہماری زندگی کا رہنما اصول محبت ہے منطق نہیں اور جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں انسانی زندگی کا داعیہ محبت، یا احساس حُسن ہے، ذہانت داعیہ نہیں بن سکتی کیونکہ یہ نہ حُسن کا علم رکھ سکتی ہے نہ احساس کر سکتی ہے ایک۔ سائنس دان ہمیں یہ تو بتا سکتا ہے کہ آواز کس طرح پیدا ہوتی ہے لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ نغمہ شیریں اور حسین کیوں ہے۔ وہ تصویر کا احاطہ کردہ رقبہ ٹھیک ٹھیک ناپ کر بتا سکتا ہے۔ وہ

یہ بتا سکتا ہے کہ روشنی کی شعاعوں کا کیا حصہ ہے اور آنکھ کا پردہ اعصاب بصارت یا دماغ اسے دیکھنے میں کہاں تک مدد کرتے ہیں۔ وہ اس میں مستعمل رنگوں میں جزئیات تک بیان کر سکتا ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ تصویر کا حسن کس شے پر مشتمل ہے۔ وہ فوراً اس کے حسن سے متاثر ہو سکتا ہے لیکن وہ منطقی یا علمی طور پر اس کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ حسن کا علم صرف احساس کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے یہ عقلیت کی دسترس سے باہر ہے۔

احساس مجموعی نفس کا فعل ہے۔ ذہانت محض اس کا ایک حصہ ہے۔ نفس کل کو دیکھتا ہے لیکن ذہانت کی نظر محض ایک جزو پر ہوتی ہے۔ حال ہی میں نفسیات کے مدرسہ گشتالٹ نے کل، تمام، یا کلیت، پر زور دیا ہے جو محض عینی مشاہدہ یا حساسیت کی بدولت جانی جا سکتی ہے۔ ایک تصویر یا ایک نغمہ کل ہے جو اپنے اجزاء کے مجموعے سے بھی بہت بڑا ہے اور عقل کی قلمرو صرف اجزاء تک محدود ہے۔

کوئی شک نہیں کہ وجدان بھی غلطی کرتا ہے لیکن اس سے اس کی قدر و قیمت میں فرق نہیں پڑتا، بالآخر یہ وجدان ہی ہے جو غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا اور اس علم کی حدود تک پہنچ سکتا ہے، جس کے لئے نفس ہمیشہ متقاضی ہوتا ہے۔ نفس حسن کو خواہ وہ غلط ہو یا صحیح، چاہتا اور اس سے محبت کرتا ہے۔ آخر کار ہمیں صرف احساس پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ عقل کچھ دور تک ہمارے ساتھ جاتی ہے۔ لیکن آخری منزل مقصود (یعنی نصب العین صحیح ہو یا غلط) صرف احساس کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔

چونکہ عقل اس راہ میں تھوڑی دور تک ہمارے ساتھ جاتی ہے۔ اس لئے ہم منزل پر پہنچ کر سادگی سے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ عقل نے ہمارا ساتھ بہت دیر ہوئی چھوڑ دیا تھا اور یہ کہ ہم نے راستے کا اہم حصہ احساس کی رفاقت میں طے کیا ہے۔ یہ ایمان، احساس یا وجدان ہی ہے جو فلسفی حتیٰ کہ سائنس دان کو بھی تحریک دیتا ہے کہ وہ تلاش حق کے راستے پر گامزن ہو۔ ذہانت وجدان کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے اور اسے ایک خاص سمت میں سرگرم بناتی ہے لیکن حق کو سب سے پہلے احساس، وجدان یا ایمان کے ذریعے سے ہی محسوس کیا جاتا ہے (خواہ یہ کتنا ہی مبہم کیوں نہ ہو) اور بعد ازاں دریافت کیا جاتا ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو۔ عقل کے ذریعے اس کا منطقی مظاہرہ کیا جاتا ہے عقل کے لئے جس شے کا اس طرح مظاہرہ کرنا ممکن ہوتا ہے وہ ہرگز اس شے کے کل کے برابر نہیں ہو سکتی جس کا ادراک نفس نے بذریعہ وجدان کیا ہو۔ اس کے برعکس ہم جس علم کو سائنسی اور عقلی قرار دیتے ہیں وہ کبھی کامل طور

پر عقلی نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ایمان، وجدان اور احساس کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ سائنس کا علم کیوں ہمیشہ بدلتا اور تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اگر فطرت انسان کو ذہانت کے سپرد کر دے اور اس سے ایمان واپس لے لے، تو انسان کی تمام سرگرمیاں اس کے ہر دائرہ کار میں رک جائیں۔ اگر اپنے دوست کے متعلق میرے علم میں ایمان کا عنصر نہ ہو تو میں نہایت آسانی سے اُسے اپنے جیسا انسان سمجھنے کی بجائے ایک کٹھ پتلی سمجھتا۔ اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرے کہ وہ صرف انہی حقائق کو تسلیم کرے گا جنہیں عقلی یا عملی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے تو وہ اس دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکے گا۔ بغیر ایمان کے میں اس بات کو بھی نہیں مان سکتا کہ کل سورج نکلے گا، یا یہ کہ اگر میرے ہاتھ سے کوئی پتھر گرا تو وہ زمین پر آ پڑے گا لیکن درحقیقت میں تمام کام ان باتوں کو حقیقت سمجھ کر کرتا ہوں۔ ایمان تحریک زندگی ہے۔ اگر ہم یہ طرز فکر اختیار کریں کہ جو شے علمی طور پر ثابت نہیں کی جا سکتی وہ مافوق الفطرت، وہم و گمان، یا غیب سے تعلق رکھتی ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ہم میں سے ہر ایک سائنس کے اس دور کے باوجود ہر وقت مافوق الفطرت اوہام یا غیب پر ایمان رکھتا ہے، اور سائنس خواہ کچھ کہے ہم ایسا کرتے رہیں گے۔ اپنے بہت سے افعال و اعمال میں ایمان پر بھروسہ رکھنا ہماری کمزوری نہیں بلکہ ہماری طاقت ہے۔ ہم اسی وقت طاقتور ہیں جب ہم اپنی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ ہم حسن کی آرزو اور جستجو کرتے ہیں اور حسن کا ادراک صرف ایمان، احساس یا وجدان ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ حسن یا شعور کو جاننے کے لئے احساس یا وجدان کا عمل عبادت کہلاتا ہے عبادت حسن میں غور و فکر کرنا ہے۔ ہر انسان کے لئے اس کا پہلا فطری اور ناگزیر آغاز حسنِ فطرت پر غور و فکر کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنے خالق کی عبادت کرتا ہے لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا شعور ہے۔ جب ہمارے ارد گرد کے حسنِ کائنات پر طبعی طور پر غور و فکر کرنے سے احساس جمال یا آرزوئے حسن بیدار ہو جاتی ہے تو ہم اس کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور سوائے عبادت کے اور کوئی صورتِ اظہار نہیں۔ اگر ہم حسن کے احساس، محبت، یا آرزو کو باقاعدہ غور و اظہار کا موقع دیتے رہیں، تو یہ ترقی سے ترقی تر ہو جائے اور اس کی حدود لامحدود ہو جائیں اگر ہم اس کا اظہار اس طرح نہ کریں (جو صحیح راستہ ہے) تو پھر چونکہ اسے ہر حال اپنی نمود کرنی ہے، یہ بگڑ جاتی ہے اور غلط راستوں پر بھٹک جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جلد یا بدیر ہم ہر قسم کے دکھ اٹھاتے ہیں۔ جو اپنی فطرت کی آرزوؤں کو دبانے یا غلط راستوں پر لگانے

سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اوپر کہا گیا ہے کہ دہریت ناممکن ہے۔ پروفیسر جیمز، جو ایک مشہور نفسیات دان ہیں، کا ایک پیرا اس نکتہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ پروفیسر جیمز لکھتا ہے "معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اس کے برخلاف خواہ کچھ کرے، انسان آخری وقت تک عبادت کرتے رہیں گے تاآنکہ اُن کی ذہنی فطرت کچھ اس طرح تبدیل نہ ہو جائے جس کی ہمیں کسی طرح توقع نہیں ہو سکتی۔ عبادت کرنے کا جذبہ اس حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اگرچہ انسان کے نفس تجربی کا باطن معاشرتی قسم کا ہے لیکن اس کے باوجود اسے اپنا رفیق اعظم ایک مثالی دنیا میں ہی مل سکتا ہے۔ اکثر انسان متواتر یا کبھی کبھی اپنے دل میں اس کی کسک ضرور محسوس کرتے ہیں۔ اسی کسک کی بدولت دنیا کا ادنیٰ ترین اور ناکارہ انسان بھی اپنے آپ کو حقیقی اور مفید کہہ سکتا ہے۔ اس کے برعکس ہم میں سے اکثر کے لئے ایک ایسی دنیا خوفناک قعر مذلت ہو گی جس میں جب ہمارا خارجی معاشرتی نفس ناکام ہو کر ہم سے الگ ہو جائے تو کوئی واقعی پناہ نہ مل سکے۔ ہم میں سے اکثر اس لئے کہتا ہوں کہ اغلب ہے کہ جس حساب سے انسان مثالی تماشائی کے مفہوم کے ہاتھوں ستائے جاتے ہوں اسی حساب سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ بعض کے لئے دوسروں کی نسبت یہ شعور کا زیادہ لازمی حصہ ہے۔ وہ لوگ جن میں یہ چیز سب سے زیادہ پائی جاتی ہے غالباً سب سے زیادہ مذہبی ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جو اس کسک کے ہونے کا انکار کرتے ہیں اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں۔ درحقیقت ان میں یہ جذبہ کسی نہ کسی حد تک ضرور موجود ہوتا ہے۔"

اگر عبادت خالق کی عظمت، قوت، مہربانی ہر ایک لفظ میں اُس کے حسن کے احساس کا اظہار نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان اپنی زندگی میں کسی نہ کسی خالق کے آگے ضرور سر جھکا دیتا ہے۔ لہذا ہر انسان میں یہ احساس موجود ہے۔ عبادت کے جذبے کا ہمہ گیر ہونا خود اس بات کی علامت ہے کہ اس کی جڑیں کسی ایسی جگہ ہیں جو ہماری فطرت کا حصہ ہے۔

بدقسمتی سے ہم نے ابھی تک اپنی آرزوئے عبادت کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔ یہ انسانی زندگی کا ایک زبردست داعیہ ہے جو اس واحد راستے میں سے جو اُسے آزاد، مکمل اور مسلسل غور کا موقعہ بخش سکتا ہے۔ سب سے پہلے زور کر کے باہر نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ آرزوئے حسن ہے جو تسکین کی متقاضی ہے۔ یہ فطرت کے چوڑا ہے کا نشان ہے جو راحت و مسرت کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہ قدرت کی آواز ہے

جو انسان کو آزادی، ترقی اور طاقت کی طرف بلاتی ہے۔ اگر ہم اس کی آواز سنیں تو یہ بلند تر، واضح تر اور صحیح تر ہوتی جاتی ہے یہ ہمیں اسرارِ ہستی بتاتی ہے، انسانی زندگی کے مفہوم سے آگاہ کرتی ہے اور مقصد کائنات سمجھاتی ہے، لیکن اگر ہم اس آواز کو دبا دیں تو ہم اپنے آپ کو خطا و نسیان اور غم و اندوہ کے حوالے کر دیتے ہیں اور جب تک ہم اس آواز کو دوبارہ نہ سنیں یہ حالت اسی طرح رہتی ہے۔ ہم اپنے آپ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اپنی فطرت کو ترک کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔

اپنی جہالت سے ہم اپنے ابتدائی احساس یا آرزوئے حسن کو جو فطرت پر غور کرنے اور اس سے ضروری تعلق کا نتیجہ ہے، عبادت کی شکل میں مناسب اور فطری اظہار سے محروم کر دیتے ہیں۔ ہم اُسے دبا دیتے ہیں اور ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ ختم نہیں ہو سکتی بلکہ مختلف حصوں میں بٹ جاتی ہے ہماری کوئی فطری خواہش سرے سے ختم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُسے کسی اعلیٰ تر درجے کی کسی خواہش کی خدمت پر نہ لگا دیا جائے۔ جب کبھی ہم کسی خواہش کو فطری طور پر پورا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور اس کا کوئی نعم البدل بھی تلاش نہیں کرتے، تو یہ اپنی فطری شکل میں تو پریشان ہو جاتی ہے کبھی کسی فاسد ذرائع سے سر نکالنے لگتی ہے جو نہ صرف غیر فطری بلکہ ضرر رساں بھی ہوتے ہیں۔ آرزو توانائی کا ایک بہاؤ ہے اگر یہ کسی مقام پر رک جائے تو سیل کی طرح کسی نہ کسی مقام سے یہ اپنا رستہ بنالے گی۔ اگر روکاٹ کی وجہ سے تشویق کی توانائی کا بہاؤ رک جائے اور جوہڑ کی طرح جمع ہونے لگے، تو یہ ایک گھٹن یا حبس کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو اور بھی زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے آرزوئے حسن کو کسی اعلیٰ تر آرزو پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس سے اعلیٰ تر آرزو کوئی نہیں۔ جب اسے عبادت کی شکل میں فطری اظہار سے روک دیا جاتا ہے تو یہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی طریقے سے تسکین دینے پر مجبور ہوتی ہے، مثلاً ہم اپنے نصب العین، یعنی نصب العین حسن کو چھوڑ کر دوسرے نصب العینوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہم اپنی فطرت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس لئے ہم خود اپنی آئندہ مایوسیوں اور پریشانیوں کو مول لیتے ہیں اور جب وہ نازل ہو جاتی ہیں تو ہم ایک بار پھر عبادت کی طرف منہ موڑ لیتے ہیں۔ جو شخص عبادت نہیں کرتا۔ اُس کی زندگی غیر فطری اور بے قاعدہ ہے۔ یا تو وہ اپنی مضبوط ترین خواہش کو تسکین سے محروم رکھتا ہے۔ یا وہ غیر معقول طور پر ایسی اشیاء میں دلچسپی و انہماک کا اظہار کرتا ہے جن میں اُس کا داعیہ زندگی غلطی سے اپنی نمود کرنا چاہتا ہے۔ ایسا آدمی یا تو پہلے ہی پریشان اور

متفکر ہے یا پریشانیاں اور تفکرات اُس پر ہجوم کر آنے کو ہیں۔

جب ہم آلام و مصائب میں گھرے ہوتے ہیں تو اس وقت کیوں عبادت کرتے ہیں؟ عبادت کی خواہش کرنا نفس کی ایک قدرتی خواہش ہے جو وہ اپنے نصب العین کے لئے کرتا ہے یہ کسی مایوسی یا مصیبت سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ ہر وقت موجود ہوتی ہے، لیکن غلط نصب العینوں میں الجھی ہوتی ہے۔ جب کبھی یہ غلط نصب العین ہمیں دھوکا دے جاتے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنے غیر حقیقی خواص اور ہماری فطرت کے ساتھ ناموزونی کی وجہ سے ضرور کریں گے تو عبادت کی خواہش اُن سے الگ ہوکر آزاد ہو جاتی ہے۔ یوں کہیے کہ ہم نے اُسے استعمال کیا تھا یا اسے غلط راہ پر ڈال رکھا تھا اور اب اُسے اپنی راہ پر چلنے کا موقعہ ل گیا ہے۔ مصیبت اُس شے سے اس خواہش کے جبراً اور لازماً علیحدہ ہونے کا نام ہے جسے نفس غیر تسلی بخش پاتا ہے اور وہ سکون و اطمینان جو ہمیں عبادت سے حاصل ہوتا ہے نفس کے اُس شے سے دوبارہ وابستہ ہو جانے سے ملتا ہے جو نفس کے لئے سب سے زیادہ زیادہ اطمینان بخش ہے اور جسے شعور ایزدی کہتے ہیں۔ غور سے دیکھیں تو ہر مصیبت نفس کے لئے احساس تنہائی ہے جو بے وفا ساتھیوں یعنی غلط نصب العینوں سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کبھی نفس اپنے رفیق اعظم یعنی شعور ایزدی یا صحیح نصب العین سے کٹ کر کسی غلط نصب العین کی صحبت اختیار کر لیتا ہے تو اس کا داعیہ غیر مطمئن رہ جاتا ہے۔ لیکن نفس کو اس بات کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کہ جھوٹا اور بے وفا ساتھی اُسے پہلے ہی چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ نفس اس انکشاف کو مصیبت کے نام سے پکارتا ہے اور اُسے ناقابل برداشت سمجھتا ہے۔ اس مرحلے پر اُس کے سامنے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں ہوتا کہ وہ پھر اپنے اُس ساتھی کی طرف رخ کرے، جسے اس نے شروع میں غلطی سے چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم مصیبت زدہ اشخاص کو عبادت میں مشغول پاتے ہیں۔ جو شخص رفیق حقیقی سے قطع تعلق نہیں کرتا اُس کے لئے مصیبت کوئی شے نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کے کئی اور ساتھی بھی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ہر ایک کو مناسب درجہ دیتا ہے۔ ان کے حیلے دفایانہ کردار کا اُسے پہلے سے علم ہوتا ہے اس لئے جب وہ اس سے غداری کرتے ہیں تو وہ اس واقعہ کو چنداں وقعت نہیں دیتا اور غیر مناسب طور پر [illegible] ہوتا۔

چنانچہ ہر ایک مصیبت زدہ شخص کا عبادت کی خواہش کرنا مصیبت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ

مصیبت خود عبادت کی پریشان اور دبی ہوئی خواہش کا نتیجہ ہوتی ہے جو فطرت نفس کا ایک حصہ ہے اور ہمیشہ اپنی تسکین کے لئے کوشاں ہے۔ مصیبت کا باعث آرزوئے نفس کی فطرت ہے جو ایک مکمل اور دائمی رفیق کے بغیر مطمئن نہیں ہوسکتی اور جو عموماً اور فطرتاً عبادت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

مصیبت رحمت کے بھیس میں رحمت ہے۔ اگر یہ اتنی شدید ہو کہ انسان کو اپنے نصب العین کی طرف لوٹنے پر مجبور کردے تو اس سے اُس کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے کھل جانی چاہئیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم صرف مصیبت میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور صحیح نصب العین سے مسلسل تعلق قائم نہیں رکھتے۔ ہم غلط نصب العین اختیار کرنے پر تیار رہتے ہیں اور اپنے حقیقی اور واحد دوست کی پکار پر کان نہیں دھرتے یہ ایک ناشکر گزاری ہے جو ہمارے سوا کسی اور کو نقصان نہیں پہنچاتی، اور در حقیقت ہمیں اس کا بھاری خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اس لئے شعور کے ساتھ باہمی تعلق کو عبادت کی باقاعدہ عادات سے قائم رکھنا اور مسلسل بڑھاتے رہنا ضروری ہے۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہم اپنے آپ کو غلط نصب العینوں کی کشش سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جو ہمیں گمراہ کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے ہمیشہ گھات میں لگے رہتے ہیں۔

عبادت انسان کا اعلیٰ ترین اور گراں ترین تجربہ ہے۔ یہ شعور انسانی کا اپنے ماخذ یعنی شعور ایزدی سے وصال کا نام ہے یہ نفس کا اپنی منزل مقصود کی طرف سفر ہے یہ فرقت زدہ عشاق کی ملاقات ہے، وہ عشاق جنہوں نے ایک دوسرے کی طلب و جستجو میں بے حد مصائب کا سامنا کیا ہوتا ہے۔ عبادت کی عادت کو اگر قائم رکھا جائے تو یہ نفس کو جلد ہی ایک عظیم انکشاف کی طرف لے جاتی ہے۔ نفس ایک آسودگی، طمانیت اور سکون محسوس کرتا ہے گویا کہ اسے جس شئے کی تلاش تھی، حاصل ہوگئی ہے۔ یہ وصال عشاق آگے چل کر ایک دائمی اتحاد کی شکل اختیار کر لیتا ہے جسے روز افزوں محبت و اعتماد زندگی اور تقویت ملتی ہے۔ عبادت کا ہر فعل بشرطیکہ وہ احساس محبت کا ایک موزوں اظہار کرے حُسن کے ایک نئے جلوے کو سامنے لاتا ہے اور احساس حُسن میں مزید شدت و قوت پیدا کرتا ہے محبت اسی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ ایک زبردست نصب العین بن جاتی ہے اور فرد کی تمام زندگی پر چھا جاتی ہے۔ تمام پرانے نصب العین محض ذیلی خیالات بن کر رہ جاتے ہیں اور ان سے صحیح نصب العین کے رستے میں حائل ہونے کی تمام طاقت چھن جاتی ہے۔ یہ کام مشکل اور صبر آزما

ہے لیکن ہر انسانی کامیابی کے لئے یہی شرط ہے۔

عبادت میں نفی ذات کا ایک پہلو مضمر ہوتا ہے جو درحقیقت محبوب کی موجودگی میں نفس کے نامکمل ہونے کے احساس اور اِس لئے مکمل ہونے کی آرزو کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نفی ذات محبوب تک پہنچنے کے لئے ایک کوشش ہوتی ہے اور اِس لئے اس کا حاصل تصدیق ذات، قوت اور اعتماد ہوتا ہے۔ پر خلوص ندامت کے سوا جو انتہائی عاجزی، جاں نثاری اور فنائے ذات کا پہلو لئے ہوئے اور جس کی بدولت آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جائے نفس کو کوئی شے اس کا پہلا مقام نہیں بخش سکتی، کیونکہ یہی ایک طریقہ ہے جس سے نفس اُن خواہشات کو ترک کر سکتا ہے جو درحقیقت اس کی اپنی نہیں ہوتیں بلکہ اس کی فطرت کے مخالف ہوتی ہیں۔ غیر پسندیدہ نصب العین کی محبت سے جس میں کچھ عرصہ مبتلا ہو کر نفس نے نقصان اٹھایا ہوتا ہے۔ نفس کو پاک کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ نفس کے جذبہ محبت کو صحیح نصب العین کے لئے فارغ کرنا ہوتا ہے۔ اشکوں کے اس وضو کے لئے بہترین وقت رات کا پچھلا پہر ہوتا ہے جب خاموشی سکوت اور دنیا و مافیہا سے مکمل علیحدگی توجہ و انہماک اور داخلی سعی کیلئے خاص طور پر مفید ہوتی ہے

اساتذہ اور اہلِ قلم حضرات سے!

رسالہ اسلامی تعلیم اور اسلامک ایجوکیشن" اردو اور انگریزی زبان میں ان اساتذہ اور اہل قلم حضرات سے قلمی معاونت کا خواہشمند ہے جو سائنسی علوم بالخصوص طبیعات، کیمیا، حیاتیات، عمرانیات اور نفسیات پر اس انداز سے روشنی ڈال سکیں کہ ان کی نگارشات سے خدا کی وحدانیت کے تصور کو اجاگر کرنے میں مدد ملے۔ اس قسم کی کوشش پر مبنی اساتذہ کرام کے تیار کردہ مثالی اسباق (MODEL LESSONS) کا خیر مقدم کیا جائے گا اور ان کا معقول معاوضہ دیا جائے گا یہ اسباق کالج کی سطح کے ہونے چاہئیں۔ وہ اساتذہ جو پہلے ہی اس کام میں مصروف ہیں اور اس کا تجربہ رکھتے ہیں، انہیں اس سلسلے میں خاص توجہ دینی چاہیئے۔

علاوہ ازیں اس جریدہ میں مختلف زبانوں میں شہرت یافتہ کتابوں کے ایسے تلخیص و تراجم کو بھی شامل اشاعت کیا جائے گا جن کا محاکمہ اسلامی انداز فکر اور اسلامی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہو۔

مضامین صاف ستھرے خط میں ہوں اور کاغذ کے ایک طرف تحریر ہونے چاہئیں۔

سیکرٹری آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس

۷ فرینڈز کالونی، ملتان روڈ، سمن آباد، لاہور